

جدید عسکریت کے نظریات (قسط دوم)

ڈاکٹر مہدایت اللہ مہمند

شریعت اسلامیہ جس طرح ایک بندہ مومن کو اس کی زندگی کے تمام دیگر پہلوؤں پر رہنمائی فراہم کرتی ہے، ہر مضمر چیز سے خبردار کرتی اور ہر خیر و بھلائی سے روشناس کراتی ہے، بالکل اسی طرح وہ اسے اس امر پر بھی ابھارتی ہے کہ وہ اعدائے اسلام کے شرور سے بچنے، ان کا مقابلہ کرنے اور انہیں شکست دینے کے لیے دشمن اور اس کی مختلف اصناف کو پہچانے، ہر صنف کے عقائد و نظریات، تاریخ و پس منظر اور اہداف و مقاصد کو سمجھے اور کفر پر قائم نظام ہائے باطل کا عمیق فہم حاصل کرے۔ نیز یہ جاننے کی سعی کرے کہ ان نظام ہائے باطل کی قوت کا منبع کیا ہے؟ ان کے کمزور مقامات کون سے ہیں؟ ان کے منصوبے کیا ہیں؟ اور چالیں اور طریقے کیا؟ قرآن عظیم الشان میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

”اور اسی طرح ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں (تاکہ تم لوگ ان پر عمل کرو) اور تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے۔“ (سورۃ النعام: ۵۵)

گویا قرآن عظیم الشان کی تعلیمات کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندے، اللہ کے نافرمانوں اور اسلام کے دشمنوں کا راستہ اچھی طرح پہچان جائیں اور پوری بصیرت کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں۔ متعدد مفسرین، مثلاً علامہ زمخشری، اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ: ”(قرآن میں اتنی کھول کھول کر آیات بیان کر دینے سے مقصود یہ ہے کہ) تم پر ان مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے اور پھر تم ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرو جیسا کہ (ان کو جان لینے کے بعد) ان کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔“

ہمارے سامنے ایسی مثالوں کی کمی نہیں جہاں کوئی دینی جماعت اخلاص کے ساتھ سالہا سال خدمتِ دین میں مصروف رہی، لیکن جب غبارِ چھٹا تو معلوم ہوا کہ دشمن کو سمجھ نہ پانے کے سبب اس کی جدوجہد کا بیشتر فائدہ بالآخر مسلمانوں کی بجائے کفار کو پہنچا۔

پھر بالخصوص جب معاملہ جہاد و قتال کا ہو، تو وہاں اس حوالے سے چونکار رہنا اور بھی اہم ہو جاتا ہے۔ جنگ تو کہتے ہی اس کو ہیں کہ دشمن کو اپنے ارادوں اور منصوبوں سے غافل رکھا جائے اور اس کے خلاف محکم تدبیریں اور مؤثر چالیں استعمال کی جائیں۔ ایسے میں دشمن کے اصل منصوبوں اور اس کے حقیقی نظریات و عقائد سے غفلت مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مجاہد عالم دین شیخ ابوالوید الانصاری الفلستینی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”جان لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ”الحرب خدعة“ میں وارد ہونے والے لفظ (خدعة) کو چھ (۶) طرح سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ انہی میں سے ایک تلفظ یہ ہے کہ اسے (خَدْعَةً) پڑھا جائے، اور اس صورت میں حدیثِ مبارکہ کا معنی یہ ہو گا کہ: جنگ ایک ایسا میدان ہے کہ اگر کوئی فریق اس میں ایک بار دھوکا کھا جائے اور پھسل کر گر جائے تو جنگ اسے دوبارہ اٹھنے کا موقع نہیں دیتی۔ اسی طرح اس لفظ کو (خَدْعَةً) بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں حدیث کا مفہوم یہ بنے گا کہ: جنگ کی فطرت یہی ہے کہ وہ دھوکا دیتی ہے، یعنی جنگ میں ہر فریق یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے اصل ارادے و عزائم سینے میں چھپائے رکھے اور فریقِ مخالف کو اپنے اصل منصوبے کے بالکل برعکس تاثر دے۔ پس یہ حدیثِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارا دشمن ظاہر میں جو اقوال و افعال کر رہا ہو، ان کے پس منظر میں موجود اصل ارادوں اور منصوبوں سے ہر دم ہوشیار رہنا واجب ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو علوم اور جو بھی مباح اسباب دشمن کے اصل نظریات، ارادے اور منصوبے سمجھنے میں مدد دیں، ان کا سیکھنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ فقہی اصول ہے کہ ”مَا لَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ إِلَّا بِهِ فَهَبْوَ وَاجِبٌ“، یعنی جس کام کو کیے بغیر کسی واجب کی ادائیگی ناممکن ہو تو خود وہ کام بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اب چونکہ ان علوم کو سیکھنے بغیر اسلامی سرحدات کا تحفظ ناممکن ہے اس لیے یہ علوم سیکھنا بھی واجب ہے۔ الغرض، ایسی چالیں اور تدبیریں سیکھنا بھی شرعاً واجب ہے جن سے دشمن کی شوکت توڑی جاسکے اور اہل اسلام کا دفاع یقینی بنایا جاسکے۔“ (وسائل الثغور للشيخ أبي الوليد، الرسالة الثامنة)

اسی مضمون میں ایک اور مقام پر آپ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ:

”ممکن ہے کہ کسی عام مسلمان کے لیے بس اتنا علم ہی کافی ہو کہ یہود، نصاریٰ، مجوس اور دیگر دشمنانِ دین، اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ہر دم سازشوں میں مصروف رہتے ہیں، لیکن صاحبِ حیثیت افراد اور مسلمانوں کے اہل حل و عقد کے لیے علم و معرفت کی یہ سطح قطعی ناکافی ہے۔ ان پر تو لازم ہے کہ وہ کفار کی چالوں اور تدبیروں کو گہرائی سے سمجھیں، ان کے مخفی پہلوؤں کو جانیں، ان کی اصناف و اقسام سے واقف اور

ان کے مقاصد و اہداف پر مطلع ہوں۔ اور یہ سب تبھی ممکن ہے جب وہ اپنے علم و فہم کے دائرے کو وسیع کریں اور میدانِ عمل میں اتر کر واقعات و حوادث کا قریب سے مشاہدہ کریں۔“ (رسائل الثغور للشیخ ابی الولید، الرسالة الثامنة)

آج عالم اسلام ایک ہمہ جہت صلیبی صہیونی یلغار کی زد میں ہے اور اس یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے ایمانی زاویہ مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ، دشمن کو سمجھنا اور اس کو سمجھ کر اس کے مقابلے کے لیے اپنی صفیں ترتیب دینا ضروری ہے۔ یہی پس منظر ذہن میں رکھتے ہوئے ہم نے گزشتہ شمارے سے ”اعرف عدوک“ (”اپنے دشمن کو پہچانیے“) کے عنوان تلے ان شاء اللہ یہ مستقل سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس سلسلے کی ابتداء عالمی نظام کفر کے سب سے اہم اور مرکزی ستون، یعنی اس کی ”عسکری طاقت“ کو سمجھنے اور اس کے پس منظر میں کارفرما نظریے و فلسفے کا جائزہ لینے سے کی گئی ہے۔

پچھلے شمارے میں ہم نے پڑھا تھا کہ انقلابِ فرانس کے بعد دنیا بھر میں رائج ہونے والی جدید عسکریت کو سمجھنے کے لیے امریکہ و یورپ کے نمایاں عسکری ماہرین و مفکرین کے نظریات کا مطالعہ ضروری ہے۔ اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے گزشتہ شمارے میں ہم نے کلاؤٹ کے نظریات کا جائزہ لیا۔ اس دفعہ ہم ان شاء اللہ ایسے تین مزید مغربی مفکرین کے نظریات کا مطالعہ کریں گے، جن کی تجویز کردہ حکمتِ عملی کو امریکہ اور مغرب نے سرد جنگ کے دوران روس کے خلاف اپنایا اور امریکی فوج کی تنظیم نو بھی اسی کی روشنی میں ہوئی۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اب مغرب یہی نظریات اور حکمتِ عملیاں امت مسلمہ اور مجاہدین کے خلاف اپنائے ہوئے ہے۔ (مدیر)

مغرب اور امریکہ کی عالمی افواج کی تنظیمی ساخت

اس وقت دنیا میں دو طرح کی افواج پائی جاتی ہیں:

- ایک روایتی قومی افواج، جیسا کہ ہر ایک ملک نے اپنی ایک روایتی فوج بنا رکھی ہے۔
- اور دوسری عالمی افواج جیسے امریکہ، ایساف، اقوامِ متحدہ اور نیٹو کی افواج۔

پھر عالمی افواج کے بھی دو حصے ہیں؛ ایک روایتی عالمی فوج اور دوسرا رعب قائم کرنے والی عالمی غیر روایتی فوج۔

روایتی قومی افواج اور عالمی افواج میں فرق

روایتی قومی افواج اور عالمی افواج دونوں کی تربیت و تنظیم کلاؤٹ کے نظریے ہی کی بنیاد پر ہوتی ہے مگر ان میں فرق ان کی تشکیل کے نظریات کی بنا پر آتا ہے۔ زمانہ قدیم سے کسی بھی

عسکری قوت کو استعمال کرنے کا مقصد دشمن کے 'ارادہ جنگ' (will to fight) کو ختم کرنا ہی رہا ہے تاکہ وہ حملہ آور کے مطالبات مان لے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انسان کا حوصلہ جنگ اور ارادہ جنگ کیسے ختم کیا جائے؟ اس مقصد کے حصول کے تین طریقے ہیں:

- پہلا طریقہ پیش بندی کا طریقہ کہلاتا ہے۔ اس طریقے میں عسکری قوت کو اس انداز میں استعمال کیا جاتا ہے کہ دشمن جنگ کے لیے نکلنے سے پہلے ہی جنگ کا ارادہ ترک کر دے۔
- جنگ کا دوسرا طریقہ رعب قائم رکھنے کا طریقہ ہے۔ اس طریقے میں اگر دشمن جنگ کے لیے نکل بھی آئے تو اسے یہ باور کروانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسے جنگ سے متوقع فائدے کی نسبت کئی گنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔
- اگر پیش بندی اور رعب قائم رکھنے کے طریقے ناکام ہو جائیں تو پھر روایتی جنگ کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔

عالمی فوج کی حیثیت حاصل کرنے کے لیے امریکہ نے انھی تین طریقہ ہائے جنگ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی فوج کو منظم کیا ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عالمی افواج کو مذکورہ طریقوں کے تحت کیسے منظم کیا گیا؟ اس کے لیے ہمیں جدید عسکری نظریات میں سے تین اہم نظریات کو سمجھنا ہو گا۔ لہذا یہاں ہم پہلے ان نظریات کو بیان کریں گے اور پھر ان کی روشنی میں عالمی افواج کی تشکیل کا جائزہ لیں گے۔

عالمی افواج کی تشکیل کے نظریات

عالمی افواج کی تشکیل میں تین نظریات اہم ہیں:

- موہان (Mohan) کا بحری طاقت (Sea Control) کا نظریہ
- لڈل ہارٹ کا بالواسطہ رسائی (Indirect Approach) کا نظریہ
- اینڈریو بیوفری (Andre Beaufre) کا ایٹمی زمانے میں بالواسطہ حکمت عملی (Indirect Strategy) کا نظریہ

موہان کا نظریہ

امریکی بحریہ کے وائس ایڈمرل موہان Mohan نے ریٹائر ہونے کے بعد ۱۸۹۰ء میں اپنی مشہور زمانہ کتاب "Influence of sea on world power" (عالمی طاقت پر سمندری قوت کے اثرات) لکھی جس کی بدولت وہ ایک تاریخ دان کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ اس کتاب نے امریکی حکومت کی حکمت عملی انقلابی حد تک بدل کر رکھ دی، یہاں تک کہ اس وقت کے امریکی صدر روزویلٹ نے اپنی تمام تر توجہ بحری طاقت کے حصول پر مرکوز کر دی۔

اپنی کتاب Race to the swift میں جدید دور کا عسکری ماہر رچرڈ سمکن لکھتا ہے کہ ”جتنے بھی عسکری نظریات آج تک پیش ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کی کوئی نہ کوئی حد ہے، لیکن موہان کے نظریے کی کوئی حد نہیں۔“

معیشت و عسکریت کا باہمی ربط

موہان اپنی کتاب میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ نہ تو معیشت کی مضبوطی عسکری قوت کے بغیر ممکن ہے اور نہ عسکری قوت معیشت کے بغیر حاصل کی جاسکتی۔ گویا عسکری قوت میں اضافے اور معیشت کی مضبوطی کا ایک دوسرے سے گہرا رشتہ ہے۔ اس بات کو وہ تاریخی حوالوں سے خصوصاً انگلستان اور یورپ کی تاریخ سے ثابت کرتا ہے۔

”سمندروں پر قبضے (sea control) کا نظریہ“

مزید وہ کہتا ہے کہ عالمی طاقت بننے کے لیے سمندر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، لہذا سمندر پر سیاسی اور عسکری غلبہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ یعنی عالمی طاقت بننے کے لیے سمندروں بالخصوص بحری تجارتی گزرگاہوں پر مکمل قبضہ (sea control) حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاریخ اور جغرافیہ کی مدد سے موہان یہ ثابت کرتا ہے کہ دنیا کی اہم ترین بندر گاہیں کمزور ممالک میں موجود ہیں، جبکہ وہاں سے دنیا بھر کا مال تجارت گزرتا ہے۔ ان پر قبضہ کرنے سے خود بخود دنیا کی تجارت امریکہ کے ہاتھوں میں آجائے گی۔ لہذا امریکہ کو چاہیے کہ کسی نہ کسی طرح ان بندر گاہوں پر سیاسی برتری حاصل کرے اور جہاں سیاسی برتری حاصل کرنا ممکن نہ ہو، وہاں عسکری قبضہ کرے۔ ان اہم بندر گاہوں کو اس نے ”تزویراتی مراکز“

1) (Strategic Points) کا نام دیا ہے۔ موہان کے مطابق ایسے مقامات کا انتخاب کرنا چاہیے جو بڑے سمندروں کے بجائے چھوٹے سمندروں پر واقع ہوں، جن کے قریب تجارتی گزرگاہیں بھی ہوں اور وہ جغرافیائی اعتبار سے ایسے ”تزویراتی خطوط“ تشکیل دیتے ہوں جہاں سے دوسروں پر حملہ بھی کیا جاسکے اور دوسروں کے مقابلے میں اپنا دفاع بھی کیا جاسکے۔ اس نے امریکی حکومت کو مشورہ دیا کہ اس حکمت عملی کو امریکہ سے متصل سمندروں میں فی الفور نافذ کیا جائے۔ آج امریکی بحری افواج کے تنظیمی ڈھانچے اور دنیا کے اہم بحری مقامات پر ان کی موجودگی کو دیکھنے سے امریکی سیاست پر اس نظریے کے اثرات خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں۔

لڈل ہارٹ کا بالواسطہ رسائی (Indirect Approach) کا نظریہ

پہلی جنگ عظیم کے دوران عسکری ٹیکنالوجی میں اچانک ترقی ہوئی جس کے سبب نہایت مہلک و موثر ہتھیار وجود میں آ گئے۔ مگر اس کی مناسبت سے فوجوں کی تربیت نہ کی جاسکی، جس کا نتیجہ Attrition Warfare یا ”تباہی کے طریقہ جنگ“ کی صورت میں نکلا۔ یہ وہ طریقہ جنگ ہے جس میں حملے کا بنیادی مقصد دشمن کے حجم کو اتنا نقصان پہنچانا ہوتا ہے کہ اس کی مادی طاقت تباہ ہو جائے اور وہ جنگ لڑنے کی سکت کھو بیٹھے۔ یہاں ’حجم‘ سے مراد تمام افرادی، صنعتی اور عسکری قوت اور تمام تروسائل و اسباب ہیں۔ گویا دشمن کی فوج، فوجی سازو سامان، شہری آبادی، کارخانے، ڈیم سبھی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔^۲ اس طریقہ جنگ میں دونوں اطراف کو بے تحاشہ تباہی اور نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور

^۱ یہاں ”تزویراتی مراکز“ یا (Strategic Points) سے مقصود وہ مقامات ہیں جو جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کے حامل ہوں۔

^۲ ظاہر ہے کہ یہاں ہم کفار کے جنگی نظریات اور طریقوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، تاکہ ان کو سمجھ کر ان کا بہتر طور پر مقابلہ کر سکیں۔ البتہ ہم خود جنگ کے لیے جو بھی حکمت عملی اختیار کریں گے اس کے لیے ہمیں شریعت سے رجوع لازم ہو گا اور جائز شرعی اہداف اور ناجائز اہداف میں فرق کرنا ہو گا۔

فتح اسی وقت ممکن ہوتی ہے جب دشمن اپنے امن و سکون اور اپنی بقاء کے بدلے شکست برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس طریقہ جنگ کو عسکری اصطلاح میں بعض اوقات ’بے مقصد ذبح خانہ‘ کہا جاتا ہے، کیونکہ بہت سے ایسے عسکری اہداف جنہیں بہت کم تباہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے، یوں بہت زیادہ تباہی کے بعد ہی حاصل ہو پاتے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم میں عملاً بھی ’ذبح خانہ‘ دیکھنے کو ملا، جب یورپ کی مختلف کافر اقوام نے ایک دوسرے پر دہوانہ وار حملے کر کے یورپ، افریقہ اور ایشیا کے بہت سے علاقوں کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا اور ہولناک قتل و غارت کی۔ اس جنگ کے بھیانک نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سے عسکری ماہرین نے نئے نظریات پیش کیے جنہیں Maneuver Warfare یا ”چال بازی کا طریقہ جنگ“ کہا گیا۔ ان میں سب سے زیادہ مقبولیت مشہور عسکری ماہر لڈل ہارٹ کے ”بالواسطہ رسائی کے نظریے“ (Indirect Approach) کو حاصل ہوئی۔

نظریے کی تفصیل

لڈل ہارٹ کا نظریہ یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ آمنے سامنے براہ راست مقابلے کی بجائے اس کے کمزور ترین عضو پر اپنے مضبوط ترین عضو سے حملہ کیا جائے تاکہ دشمن کا جسم اپنی جگہ سے ہل جائے (dislocate ہو جائے) اور نتیجتاً اس کے لڑنے کا ارادہ (Will to Fight) ہی سلب ہو جائے۔ اس کی سادہ مثال یہ ہے کہ نیل کو سینگوں سے پکڑنے کی بجائے شیر اپنے مضبوط جبرے سے اس کی گردن دبوچ لیتا ہے جس سے نیل لڑکھڑا جاتا ہے اور پھر نہ وہ اپنے سینگ استعمال کرنے کی حالت میں ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے پاؤں۔ اس طرح دشمن پر براہ راست (direct) سامنے آکر حملہ کرنے کی بجائے بالواسطہ (indirectly) یا مڑ کر حملہ کیا جاتا ہے۔ یوں بہت کم وقت اور کم قوت سے جنگ جیتی جاسکتی ہے۔

دشمن کو لڑکھڑا دینے (dislocation) کے طریقے

لڈل ہارٹ اپنے نظریے میں کہتا ہے کہ دشمن کے ارادہ جنگ کو ختم کرنے کے لیے مادی اور نفسیاتی محاذ، دونوں پر لڑنے کی ضرورت ہے، جو کہ چار طریقوں سے ممکن ہے:

- محاذ جنگ کو یکدم تبدیل کرنا۔
- دشمن کی قوت کو منتشر کر دینا۔

• اس کی رسد کو کاٹ دینا۔

• اس کی واپسی کے راستوں کو بند کرنا۔

یہ چاروں، حملے کے بالواسطہ طریقے ہیں جن سے مقصود دشمن پر سیدھا حملہ کر کے اسے تباہ کرنے کے بجائے، اس کے آزادانہ کام کرنے کی صلاحیت کو محدود کرنا (restriction of freedom of action) ہے، جبکہ اپنے سامنے تمام دروازے کھلے رکھنا ہے۔ اس طرح دشمن کی قیادت کو شدید نفسیاتی دھچکا لگتا ہے، اس کا ذہن مفلوج ہو جاتا ہے اور نتیجتاً بہت سی مادی قوت رکھنے کے باوجود بھی دشمن لڑکھڑا جاتا ہے۔ یوں بڑے سے بڑے دشمن پر آسانی قابو پایا جاسکتا ہے۔

یہ نظریہ مغرب میں بہت مقبول ہوا اور دوسری جنگِ عظیم میں اسی کو استعمال کیا گیا۔ مگر یہ نظریہ خالصتاً عسکری نظریہ تھا جس کے اثرات بھی صرف عسکری میدان تک محدود رہے۔

یوفری کا ایٹمی زمانے میں بالواسطہ تزویرات کا نظریہ (Indirect Strategy)

اینڈرے یوفری (Andre Beaufre) ایک فرانسیسی جرنیل تھا جس نے نیٹو (NATO) کی تنظیم نو میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے ۱۹۵۵ء میں الجزائر کی جنگ اور ۱۹۵۶ء میں نہر سوئز کے تنازعے میں اپنی فوج کی قیادت کی تھی۔ ۱۹۶۳ء میں اس نے ”ایٹمی زمانے میں بالواسطہ تزویرات (indirect strategy) کا نظریہ“ پیش کیا جسے اس کے پیش رو اور عسکری ماہر لڈل ہارٹ نے دورِ جدید کا بہترین نظریہ قرار دیا۔ یوفری کے مطابق اس کا نظریہ لڈل ہارٹ اور موبان کے نظریات کا تسلسل اور ان دونوں کا وسیع تر تصور ہے۔ اس نے دونوں نظریات کی خوبیوں کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں محض عسکری میدان تک محدود رکھنے کی بجائے قوت کے تمام سرچشموں پر یکساں طور پر لاگو کیا۔

بیوفری اور لڈل ہارٹ کے نظریات کے مابین فرق

بیوفری اپنے اس نظریے اور لڈل ہارٹ کے بالواسطہ رسائی کے نظریے کا فرق بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ لڈل ہارٹ کا نظریہ صرف عسکری نوعیت کا حامل، ایک خاص خطے میں مقید اور چال بازی کے طریقہ جنگ (Maneuver warfare) تک محدود تھا۔ بیوفری نے لڈل ہارٹ کے نظریے سے 'دشمن کی آزادانہ حرکت کو محدود کرنے' کا تصور لیا اور اسے وسعت دیتے ہوئے موہان کے 'سمندروں پر قبضے کے نظریے' کے ساتھ ملا دیا، جس سے پورے کرہ ارض پر محیط ایک زیادہ جامع نظریہ وجود میں آیا۔ اس نے یہ بھی واضح کیا کہ اگر اس نظریے پر عمل کیا جائے تو ایٹمی جنگ کے امکانات کو کافی حد تک محدود کیا جاسکتا ہے۔

بیوفری نے اس نظریے کو 'بالواسطہ' اس لیے کہا ہے کہ اس میں فوجوں کی آپس میں لڑائی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ اس نظریے کے مطابق دشمن کے گرد تین حصار قائم کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے دو حصار دشمن کے علاقے سے باہر ہوتے ہیں، جبکہ تیسرا دشمن کے علاقے کے اندر ہوتا ہے اور وہ بھی صرف ضرورت کے وقت قائم کیا جاتا ہے۔ لہذا اصلاً دشمن کو بیرونی دو حصاروں کی مدد سے ہی شکست دی جاتی ہے۔

بیوفری کے نظریے کے اہم نکات

- بیوفری کے نظریے کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ وہ پیش بندی (pre-emptive) طریقہ جنگ اپنانے کا داعی ہے۔ یعنی وہ خطرہ کھڑا ہونے سے قبل ہی اس کا سدباب کرنے کی راہ تجویز کرتا ہے۔
- بیوفری کے مطابق اگر دیگر ممالک کے گرد حصار قائم کر کے ان کی کام کرنے کی صلاحیت کو محدود کر دیا جائے تو دنیا میں بڑی قوتوں کو کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔
- دوسروں کی کام کی صلاحیت کو محدود کرنے سے بڑی طاقتیں محدود پیمانے کی مادی قوت کو محدود جغرافیائی خطے میں استعمال کرتے ہوئے اپنے وسیع اہداف حاصل کر سکیں گی۔

بیوفری کے نظریے کی تطبیق

بیوفری اپنے نظریے کی تطبیق بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے جس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ وہ کہتا ہے کہ سب سے پہلے دنیا میں عسکری رعب قائم کرنے والی ایک قوت ہونی چاہیے جو ہر وقت دشمن پر نفسیاتی دباؤ ڈالے رہے۔ یہ قوت ایٹمی اور روایتی دونوں طرح کے ہتھیاروں کی حامل ہونی چاہیے۔ اسے وہ Military Deterrence Force یا ’عسکری رعب قائم رکھنے والی قوت‘ کہتا ہے۔ اس قوت کا کام دشمن پر دہشت قائم رکھتے ہوئے اسے اپنے خلاف کسی قسم کا بھی اقدام کرنے سے روکنا ہے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب دشمن کو یہ دکھائی دے کہ اگر اس نے حالت امن سے نکل کر کوئی بھی قدم اٹھایا تو اس کے عواقب بہت خطرناک ہوں گے اور جواب میں اسے کئی گنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ جدید عالمی نظام میں اس قوت کو تشکیل دینے کے لیے امریکہ نے اپنی افواج کے ساتھ نیٹو اور اقوام متحدہ کی افواج کو ملایا ہے اور ان تینوں کے اشتراک سے قائم کردہ حصار آج پوری دنیا پر محیط ہے۔

اس قوت کا ہدف دشمن کے ’کام کرنے کی صلاحیت‘ کو اس طرح محدود کرنا ہے جیسے ’بونوں‘ نے ’گلیور‘ کو باندھ دیا تھا۔ بونوں اور گلیور کی حقیقت مغربی ثقافت میں بچوں کی ایک خیالی کہانی ہے جس میں گلیور نامی شخص ایک جزیرے میں جاتا ہے جہاں کے باشندے اس کی انگوٹھے سے بھی جھوٹے ہوتے ہیں۔ جب وہ تھک ہار کر سو جاتا ہے تو یہ بونے باریک رسیوں کے ذریعے اس کے جسم کے تمام حصوں کو باندھ کر اسے زمین سے ٹھونک دیتے ہیں۔ جب گلیور جاگتا ہے تو جسمانی طور پر صحیح سالم اور بونوں سے کہیں گنا زیادہ قوی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حرکت کرنے سے قاصر پاتا ہے۔ عین اسی طرح عسکری رعب قائم رکھنے والی عالمی قوت کے ذریعے دشمن کے گرد ایک بیرونی حصار بنایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے دشمن کی کام کرنے کی صلاحیت کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ یہ حصار زیادہ تر موہان کے ’سمندروں پر قبضے کے نظریے‘ کے ذریعے بنتا ہے۔

۲۔ اس خارجی عسکری حصار کے اندر ایک اور غیر عسکری (معنوی) حصار قائم کیا جاتا ہے۔ اس حصار سے مقصود وہ سیاسی، اقتصادی اور سماجی ذرائع ہیں جن کے ذریعے دشمن کے ارادہ

جنگ کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگرچہ حصار غیر عسکری ہے مگر اس کا مقصد عسکری ہوتا ہے۔ یہ حصار ہر قوم کے لیے علیحدہ علیحدہ ترتیب دیا جاتا ہے۔ اسے قائم کرنے میں اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی ادارے، این جی اوز، پرائیویٹ کمپنیاں، ذرائع ابلاغ اور خفیہ ادارے وغیرہ مدد دیتے ہیں۔

اس حصار میں ذرائع ابلاغ کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔ بیوفری کہتا ہے کہ اگر خارجی عسکری حصار کے ساتھ ساتھ اس داخلی حصار کی سطح پر عالمی و مقامی ذرائع ابلاغ کے ذریعے دشمن کے نظریات کو باطل اور غلط تسلیم کروایا جائے، تو دشمن کے لڑنے کا عزم اس حد تک کمزور پڑ جائے گا کہ وہ لڑنے کے متعلق سوچے گا بھی نہیں۔

۳۔ ان دونوں حصاروں کی موجودگی کے باوجود بھی اگر دشمن عملاً کوئی جنگ چھیڑ دیتا ہے تو اس جنگ کا دائرہ ایک مخصوص علاقے تک محدود رکھتے ہوئے، محدود پیمانے ہی پر جنگ (limited war) لڑی جائے گی۔ اس عملی جنگ کے مقابلے کے لیے اور اسے محدود رکھنے کے لیے ایک تیسرا حصار ہوتا ہے، جو بنیادی طور پر ایک عسکری حصار ہے۔ اس کا دائرہ دشمن کا ملک یا ملک کا کوئی حصہ ہوتا ہے۔ یہ جنگ ’چال بازی کے طریقہ جنگ‘ سے لڑی جاتی ہے جس میں تین اہم عناصر کا استعمال ہوشیاری سے کیا جاتا ہے: مادی قوت، نفسیاتی قوت اور وقت۔ اگر بالاتر مادی قوت میسر ہو تو نفسیاتی حربوں کی خاص ضرورت باقی نہیں رہتی اور دشمن کو کم سے کم وقت میں مادی قوت سے ہی شکست دی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر مادی قوت کم ہو تو مادی اور نفسیاتی قوتوں کو برابر استعمال کرتے ہوئے دشمن کو شکست دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ داخلی چال بازی کے لیے بیوفری نے دو طریقے تجویز کیے ہیں:

- پہلا طریقہ Piecemeal maneuver کہلاتا ہے، یعنی ’جز در جز ہڑپ کرنے کی چال بازی‘۔ اس میں ’چال بازی کے طریقہ جنگ‘ کی تمام چالوں کو حسب ضرورت استعمال کر کے دشمن کو بتدریج شکست دی جاتی ہے۔ ٹکڑوں میں، بتدریج فتح حاصل کرنے پر بیوفری اس لیے زور دیتا ہے کہ جنگ کو اپنے قابو میں رکھا جاسکے اور وہ مخصوص جغرافیائی علاقے سے نکل کر کہیں بین الاقوامی جنگ نہ بن جائے۔

- قوت کم ہونے کی صورت میں وہ کہتا ہے کہ ماؤزے تنگ کے گور یلا جنگ کے نظریے کو اپنانا چاہیے۔ یعنی دشمن کے خلاف خود اسی کی سر زمین سے ایک ایسی مقامی گور یلا قوت کو کھڑا کیا جائے جو جنگ میں ہماری ہمنوا ہو۔ یوں دشمن کے گرد اس مقامی قوت کے ذریعے گھیرا ڈالا جائے اور ساتھ ساتھ ہر سطح پر نفسیاتی حربوں کا استعمال جاری رہے۔

تین حصار

بیوفری کے نظریے پر عمل کرتے ہوئے دشمن کے گرد تین حصار بن جاتے ہیں اور اس کے آزادانہ کام کرنے کی صلاحیت اتنی محدود ہو جاتی ہیں کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بیوفری کے نزدیک اصل جنگ بیرونی دو حصاروں میں لڑی جاتی ہے، جبکہ تیسرے دائرے کو صرف بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ہی استعمال کیا جانا چاہیے۔

بیوفری کے مطابق اگر مغربی قوتیں درج ذیل تین عوامل کو قائم رکھیں تو بالواسطہ حکمتِ عملی کا توڑ کرنا ناممکن بات ہے:

- پہلا یہ کہ مغربی تہذیب کی فوقیت اور برتری کا اتنا پرچار کیا جائے کہ تمام دنیا والے یہ یقین کر لیں کہ مغربی نظام کے بغیر یہ دنیا چل ہی نہیں سکتی۔ پھر فوقیت اور برتری کے اس تاثر کو اگلی نسلوں میں منتقل کرنے کا بھی خاص اہتمام کیا جائے۔
- دوسرا یہ کہ دشمن کی طرف سے آنے والے تمام ممکنہ خطرات کو بندرتج نشانہ بنا کر ختم کیا جائے۔
- تیسرا یہ کہ بیرونی رعب قائم رکھنے والی قوت کو مل جل کر انتہائی مضبوط بنایا جائے۔ یعنی امریکی افواج کے ساتھ نیٹو اور اقوام متحدہ کی افواج بھی مل کر کام کریں، اور ان کے علاوہ بھی ایک مشترکہ عالمی تنظیم بنائی جائے۔

اس طرح اس حکمتِ عملی کو شکست دینا بیوفری کے نزدیک ناممکنات میں سے ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس حکمتِ عملی کے ذریعے تمام دنیا پر اور بالخصوص مسلمانوں پر ___ جن کی مثال وہ جگہ جگہ دیتا ہے ___ اس قدر رعب طاری ہو جائے گا کہ کوئی

قابل ذکر قوت مغرب کے مقابلے میں سر نہیں اٹھا سکے گی، نہ ہی اس بارے میں سوچنے کی جرأت کرے گی۔

خلاصہء کلام

جدید عسکریت کے ان نظریات کا مطالعہ کرنے سے ہمیں اپنے دشمن کی بنیادی حکمتِ عملی سمجھنے اور اس کے مقابلے کے لیے حکمتِ عملی ترتیب دینے میں مدد ملتی ہے۔ مغرب نے اپنے سابقہ تجربات سے سیکھتے ہوئے دنیا پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لیے ایک ایسا طریقہء جنگ تشکیل دیا ہے جس میں دشمن سے براہِ راست جنگ کی نوبت کم ہی پیش آتی ہے۔ اور اصل انحصار ان عسکری و نفسیاتی خارجی حصاروں پر ہوتا ہے جن کے سبب بیشتر لوگ مغرب سے ٹکرانے کا تصور ہی ذہن سے نکال دیتے ہیں۔ یورپ و امریکا کی ظاہری برتری، عالم اسباب میں، انہی حصاروں پر قائم ہے۔ الحمد للہ گیارہ ستمبر سمیت امریکہ و یورپ کے خلاف مجاہدین کی تمام عالمی ضربوں نے امت کو دشمن کا معنوی و نفسیاتی حصار توڑ کر اسے لاکارنے کا حوصلہ دیا ہے۔ پھر عراق، افغانستان، یمن، الجزائر اور صومالیہ کے جہاد نے مغرب کی ”محدود جنگ“ (Limited War) کے نظریے پر کاری وار کیا ہے اور اسے مختلف محاذوں پر ایک طویل اور مشکل جنگ میں پھنسا دیا ہے؛ اور یہ عین وہی چیز ہے جس سے مغرب بچنا چاہتا تھا۔ پس اب اللہ پر توکل کرتے ہوئے، اس جنگ کو عسکری و دعوتی دونوں محاذوں پر جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ:

- مغرب کے خارجی سمندری حصار کو نشانہ بنانے کی ترکیبیں سوچی جائیں تاکہ خشکی کے بعد سمندر پر بھی اس کی ظاہری عسکری برتری دم توڑ جائے، اور
- مغرب کی معاشی بالادستی سے نجات پانے، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی غلامی سے نکلنے اور سود سے پاک اور سرمایہ دارانہ نظام سے بالکل جدا، شرعی اقتصادی نظام وضع کرنے کے لیے عملی اقدامات اٹھائے جائیں۔

_____ تاکہ دنیا بھر سے مغرب کی عسکری، معاشی، سیاسی و نفسیاتی گرفت ٹوٹ جائے اور جس شکست کو مغربی مفکرین ناممکن سمجھتے تھے، وہ ایک زندہ حقیقت بن کر ان کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔ یقیناً اللہ کے لیے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں۔